علمِ نحو کے تناظر میں کنزالایمان کا مطالعہ

پروفیسر دلاور خان

پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن اینڈ پروفیشنل ڈیویلپمنٹ سینٹر ایجوکیشن سٹی ملیر، کراچی

واٹس ایپ نمبر: 0322-2413267

علم نحو کے تناظر میں کنزالایمان کا مطالعہ

پروفیسر دلاور خاں

حضرت ابوالاسود ابنِ عمرو (متوفی ۶۹ھ) فرماتے ہیں: ''میں باب المدینۃ العلم حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کسی فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے ایک شخص کو غلط گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے میں چاہتا ہوں عربی کے قواعد پر کوئی کتاب لکھی جائے، تین دِن بعد حاضر ہوا تو آپ نے صحیفہ عنایت فرمایا جس میں اسم، فعل اور حرف کی تعریف تھی اور فرمایا تم تلاش و جستجو سے اس میں اضافہ کردو'' سیدنا ابوالاسود نے اس میں باب عطف، نعت، تعجب اور حروف مشبہ بالفعل کا اضافہ کیا۔ جو کچھ لکھتے اسے حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت اقدس میں پیش کردیتے۔ جب حضرت ابوالاسودا کافی کچھ لکھ چکے تو حضرت علی المرتضیٰ نے فرمایا: ''ماَحسَنَ ھٰذا النحوقدنحوت'' یعنی تم نے کتنے اچھے طریقے کا قصد کیا۔ اسی بناء پر اس علم کا نام ''نحو'' قرار پایا(۱) ایک قول یہ بھی ہے کہ ابوالاسود عراق کے گورنر زیاد کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے ایک دِن انہوں نے زیاد سے کہا: اللہ، امیر کی خیر کرے، میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ یہ کثرت عجم مخلوط ہوگئے ہیں اور ان کی زبان متغیر ہوگئی ہے، کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایسے قواعد تحریر کردوں، جس کی بناء پر وہ درست طریقہ سے عربی بولیں؟ زیاد نے کہا نہیں، پھر ایک دِن ایک شخص نے کہا ''توفی ابونا وترك بنيں'' ہمارا باپ فوت ہوگیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں، گویا اس نے عربی زبان میں گرائمر کی غلطی کی۔ تب زیاد نے کہا: ابوالاسود کو بلاؤ جب وہ آئے تو اس نے کہا: لوگوں کے لیے وہ قواعد تحریر کرو کہ جن سے میں نے پہلے منع کیا تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ زیادہ نے از خود ابوالاسود سے اس علم کی فرمائش کی، لیکن اس نے زیاد سے معذرت کرلی، پھر ایک دن ابوالاسود نے ایک شخص سے سنا، وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا ہے:

''اَنَّ اللہَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ وَ رَسُوۡلُہٗ'' (التوبہ،۳)

اس آیت میں ''رسولہ'' میں رسول پر پیش ہے، وہ شخص زبر پڑھ رہا تھا اور اس سے یہ معنی ہوجاتا ہے: اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بے زار ہے۔ العیاذ باللہ! تب ابوالاسود، زیاد کے پاس گئے اور کہا: میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں۔(۲)

نحو کی تعریف:

علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعے اسم فعل اور حرف کے آخر کی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس میں تبدیلی آتی ہے یا نہیں اور کلمات کو آپس میں جوڑنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

موضوع:

اس علم کا موضوع وہ چیز لیے کہ علم میں جس کے حالات سے گفتگو کی جائے، نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے۔ نحو میں کلمہ کی بحث اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ اس کا آخر بدلتا ہے یا نہیں؟

غرض:

عربی کلام میں لفظی خطا سے بچنا، یعنی خالص عربوں کے مطابق کلمات کو جوڑنا اور کلمات کے آخر میں تبدیلی لانا یا نہ لانا۔

اس مطالعہ سے علم نحو کی اہمیت اور مقصد اجاگر ہوتا ہے ایک مترجم قرآن کے لیے ضروری ہے کہ اسے اردو قواعد کے ساتھ ساتھ نحو پر بھی عبور حاصل ہو۔ اس پسِ منظر میں کنزالایمان پر علم نحو کے اثرات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ علم نحو ایک وسیع علم ہے ان تمام کا اس مقالے میں احاطہ کرنا ممکن نہیں اس لیے یہاں صرف ''حروف'' کو ہی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

اذ:

(۱)۔ وَ اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ۔(۳)

- اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو
- اور جب کہا پروردگار تیرے واسطے فرشتوں کے
- جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو
- اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے

جبکہ مولانا احمد رضا خاں اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اور (یاد کر) جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا

ان تراجم کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دیگر تراجم کے مقابلے میں آپ کے ترجمے میں بریکٹ میں

''یاد کر'' کا لفظ زائد ہے جو دیگر تراجم میں مفقود ہے۔ مذکورہ ''یاد کر'' کی حکمت کی تحقیق کرتے ہیں۔

''اذ'' یہ مبنی بر سکون ہے، زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے اگرچہ فعل مضارع پر داخل ہو، جملے کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے خواہ جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ، جیسے ''وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا'' (یاد کرو جب تم بہت کم تعداد میں تھے) اور کبھی یہ (اُذکر) فعل محذوف کا مفعول فیہ بنتا ہے جیسے ''وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ'' اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا۔(۴)

تفسیرِ جلالین میں ہے:

''واذکر یا محمد اذقال ربک۔''

اور یاد کر اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس پر محشی لکھتے ہیں:

''ارشاد به الی ان اذفی محل النصب وان العامل فیها ذکر مقدر قال ابوالبقاء فی تفسیر اذقال هو مفعول به تقدیره اذکر قال''۔

یہاں اشارہ ہے کہ ''اذ'' محل نصب میں ہے اور اس کا عامل ''اذکر'' مقدور ہے۔ ابوالبقاء نے ''اذ قال'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ ''اذ قال'' مفعول بہ ہے اور تقدیر عبارت کی یہ ہے ''اذکر اذ قال'' اس کا لحاظ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے ''یاد کر'' کے لفظ کو بریکٹ میں بڑھایا اسی طرح مدارک میں ہے:

''اذنصب باضمار اذکر''

''اذ'' ''اذکر'' کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے منصوب۔(۵)

(۲)۔عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ۔(۶)

- ایک خاص چشمہ جس پر مقربین بیٹھ کر پییں گے
- وہ ایک چشمہ ہو گا جس پر خدا کے مقرب بندے پییں گے

مذکورہ تراجم میں ''بھا'' میں ''ب'' کو بطور ظرف (جگہ) لیا ہے جس کے معنی ہوئے کہ وہ چشمہ پر بیٹھ کر پییں گے۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ ''ب'' ظرفیت کے معنی میں استعمال ہوتا اگر یہاں ''ب'' ظرفیت کے معنی میں لیا جائے تو چشمہ پر بیٹھ کر پینا عجیب سا معلوم ہوتا ہے جو خلافِ واقع بھی ہے کہ چشمہ پر بیٹھ کر کوئی کیسے پی سکتا ہے ہاں چشمے کے کنارے پر بیٹھ کر پینا ممکن ہے لیکن چشمے پر بیٹھ کر پینا ممکن نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی نے ''ب'' کی ۱۲؍وجوہ بیان کیں ہیں:

(۱)۔ الصاق، (۲)۔تعدیہ، (۳)۔استعانت، (۴)۔سبب، (۵)۔مصاحبت، (۶)۔ظرفیت، (۷)۔استعلا، (۸)۔مجاوزت، (۹)۔تبعیض، (۱۰)۔غایت، (۱۱)۔مقابلہ، (۱۲)۔تاکید الاتقان حصہ اوّل۔

قرآن کے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اسے ''رب'' کی تمام وجوہ کی معرفت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اسے ''ب'' کے اطلاقات اور مستثنیات کا بھی ادراک ہو مذکورہ تراجم کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مترجمین کو ''ب'' کے اطلاقات اور مستثنیات کا ادراک نہیں جس کی وجہ سے انہوں نے ایسا ترجمہ کر دیا۔

اس پسِ منظر میں مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ دیکھتے ہیں:

''وہ چشمہ جس سے مقربانِ بارگاہ پیتے ہیں''۔

مولانا احمد رضا خاں نے دیگر مترجمین کی طرح ''ب'' کو ظرفیت کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ ''ب'' کو تبعیض یعنی ''من'' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

وہ چشمے سے پییں گے نہ کہ چشمہ پر بیٹھ کر پییں گے امام جلال الدین سیوطی دوسری آیت عینا یشرب بھا عباد اللہ میں ''بھا'' سے مراد منھم لیے، ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ:

(۱)۔ مولانا احمد رضا خاں کو ''ب'' کی تمام وجوہ کی معرفت حاصل ہے۔

(۲)۔آپ کو ان وجوہ کے اطلاقات اور مستثنیات کے فن پر کامل عبور حاصل ہے۔

(۳)۔ یہ وجہ ہے کہ ان کے ترجمے میں سلالت و روانی جہاں پائی جاتی ہے وہیں ان کا ترجمہ حسب واقع بھی ہے۔

کلّا:

(۳)۔كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ۔(۷)

- ہر گز نہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہر گز نہیں، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔
- ہر گز نہیں، اب جان لیں گے، پھر بھی ہر گز نہیں، اب جان لیں گے۔
- ہر گز ایسا نہیں عنقریب وہ جان لیں گے پھر ہر گز ابھی نہیں عنقریب وہ جان لیں گے۔
- ہر گز ایسا نہیں، وہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر ہر گز نہیں، وہ جلد جان جائیں گے۔

ان آیات میں ''کلّا'' تحقیق طلب ہے مختلف ماہرین نحو نے

اس کے مختلف معنی بیان کیے ثعلب کے نزدیک یہ کاف تشبیہ اور لانافیہ سے مرکب ہے۔

سیبویہ کے نزدیک وہ محض حرف ہے جس کے معنی ردع جھڑکنا، بازرکھنا اور مذمت کرنے کے ہیں۔

کسائی کے نزدیک حقاً کے ہیں:

پس معلوم ہوا کہ کلّا کے مختلف معنی ہیں اس لیے اس کا ہر موقع پر ایک ہی معنی مراد نہیں ہوگا بلکہ اس کا استعمال حسبِ حال ہوگا۔

اس تناظر میں ان آیات کا سیاق وسباق دیکھنا ہوگا یہاں کلا کا کونسا معنی مناسب ہے۔ مذکورہ آیات گذشتہ کے جواب پر مشتمل ہیں جو قیامت سے یقین سے پر مشتمل ہے یعنی کفار جو آخرت سے متعلق باتیں کررہے ہیں وہ سب غلط ہیں جو کچھ ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے وہ ہرگز درست نہیں عنقریب یہ حقیقت ان پر آشکارہ ہو جائے گی کہ وہ وقت دور نہیں اس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا رسول کریم ﷺ نے جو خبر انہیں دی تھی وہ درست ہے۔ اس لیے ان آیات میں ان کے غلط خیالات کی سرزنش کی جارہی ہے، انہیں جھڑکا جارہا ہے، انہیں ان خیالات سے بازرکھا جارہا اور باطل خیالات کی مذمت کی جارہی ہے۔

اگر یہ صورتِ حال ہے تو اس آیت کا ترجمہ نفی ''ہرگز نہیں'' سے نہیں کیا جائے گا بلکہ سیبویہ کے مطابق کلّا کا ترجمہ ردع، جھڑکنا، بازرکھنا اور مذمت کرنے سے کیا جائے گا۔ ان حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر کنزالایمان سے ان آیات کے تراجم کا مطالعہ کرتے ہیں ''ہاں ہاں! اب جان جائیں گے پھر ہاں ہاں جان جائیں گے۔

ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت مولانا احمد رضا خاں کے پیشِ نظر مذکورہ سورہ مکمل پسِ منظر کے ساتھ کلّا سے متعلق تمام نحویین کی تحقیقات کا بھرپور ادراک ہے کلّا کے مختلف معنی کے اطلاقات اور مستثنیات کے فن پر کامل عبور حاصل ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے دیگر مترجمین کی طرح آپ نے ''کلّا'' کا ترجمہ ''ہرگز نہیں'' یعنی نفی سے نہیں کیا کیوں کہ مذکورہ تراجم سورۃ کے پس منظر میں حسبِ حال نہیں۔ مستقبل قریب میں دنیاوی عذاب کو دیکھیں گے اور ثانیاً عذاب آخرت ان دونوں عذابوں کو پیشِ نظر رکھ کر انہیں تنبیہ کی جارہی جھڑکا جارہا اور ان کے باطل خیالات کی مذمت کی جارہی۔ آپ نے مذکورہ آیات جو ترجمہ کیا ہے وہ آپ کی فن نحو پر مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے وہ ایک بار پھر ملاحظہ ہو۔

''ہاں ہاں! اب جان جائیں گے۔ پھر ہاں ہاں، جان جائیں گے''

''زور و جوش کے موقع پر، (كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ، ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ) کی یہ تکرار عربی حسنِ خطابت اور اسلوب بلاغت کا ایک خاص نمونہ ہے اردو محاورہ میں بھی تو زور وجوش کے موقع پر کہتے ہیں ابھی یہ دیکھیں گے اور پھر دیکھیں گے'' عربی کے حسنِ خطابت کی مکمل جلوہ گری آپ کے اس ترجمہ سے نمایاں ہے۔

لام زائدہ:

(۴)۔فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۔(۸)

- تو نہیں! میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے کی۔
- پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے۔
- پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں پلٹنے والے کی۔

مذکورہ تراجم کا آغاز لفظ ''نہیں'' سے کیا گیا ہے گویا مترجمین نے ''لااقسم'' کو منفصل مان کر یعنی جملے سے بالکل الگ مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے، لامنفصل، دراصل مخاطب کے خیال کی تردید میں واقع ہوتا ہے قسم کی نفی کے لیے نہیں۔ جب کہ مولانا احمد رضا خاں ایسی آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

- تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں۔

مولانا احمد رضا خاں اس آیت میں دیگر مترجمین کی طرح لامنفصل کی بجائے ''لا'' کو زائدہ مانتے ہیں لازائدہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں ''لا'' نہ ہو جب بھی وہی معنی مراد ہوں گے۔ اس اسلوب میں لازائد سے قسم کو مؤکد کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں تحقیق طلب امر یہ ہے اس آیت میں ''لا'' نافیہ (منفصل) ماننا زیادہ بہتر ہے یا ''لازائد'' زیادہ مناسب ہے۔

قرطبیؒ لکھتے ہیں:

(فلاأقسم) لازائدة والمعنی أقسم۔(۹)

فلاأقسم، میں لازائدہ اور اس کے معنی ہیں مجھے قسم ہے۔

نسفی لکھتے ہیں:

فلا اُقسم۔ ''لا'' زائدہ۔(۱۰)

فلا اقسم میں ''لا'' زائد ہے۔

ابن جوزی لکھتے ہیں:

قوله تعالی: (فلاأقسم) لازائدة، ومعنی: أقسم۔(۱۱)

ارشادِ باری تعالی ہے فلاأقسم، جس میں لا زائدہ جس کے

معنی ہیں مجھے قسم ہے۔

ابن عطیہ لکھتے ہیں:

قولہ تعالیٰ (فلا) اما أمر تکون "لا" زائدہ۔(۱۲)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے "فلا" جس میں لازائدہ ممکن ہے۔

البغوی لکھتے ہیں:

قولہ عزوجل: (فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ)، لازائدہ معناہ: أقسم بالخنس۔(۱۳)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے فلا أقسم بالخنس، یہاں "لازائدہ" جس کے معنی ہیں مجھے قسم ہے خنس کی۔

ابنِ عادل لکھتے ہیں:

قولہ: (فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ)، ای: "أقسم" و "لا" زائدہ۔(۱۴)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے فلا أقسم بالخنس، یعنی مجھے قسم ہے اور "لا" زائدہ۔

ابنِ کثیر لکھتے ہیں:

فَلَآ أُقْسِمُ "لا" زائدہ۔(۱۵)

فَلَآ أُقْسِمُ میں لازائدہ ہے۔

جلال الدین سیوطی و محلی لکھتے ہیں:

(فَلَآ أُقْسِمُ) لازائدۃ۔(۱۶)

فَلَآ أُقْسِمُ میں لازائدہ ہے۔

شوکانی لکھتے ہیں: (فَلَآ أُقْسِمُ) "لا" زائدہ۔(۱۷)

"لا زائدۃ" کا تاکید کے ساتھ آنے کا یہ فائدہ ہے کہ وہ نفی جواب کی تمہید بن جاتا ہے۔

"کسی شخص نے کسی عالم سے "لا أقسم بھذا البلد" کی بابت پوچھا کہ اس "لا" کے کیا معنی ہیں۔۔۔اس عالم نے فرمایا: اہلِ عرب اپنے کلام کے درمیان حرف "لا" کو استعمال کرتے ہیں مگر معنی مراد نہیں لیتے چنانچہ انہوں نے اس شہادت میں چند عربی شاعروں کے اشعار بھی سنائے۔(۱۸)

ان تمام کی شواہد کی روشنی میں مولانا احمد رضا کے ترجمہ کی تائید ہوتی ہے جس میں انہوں نے اس آیت میں لانافیہ (منفصل) کی بجائے لازائدہ کے تحت ترجمہ کیا ہے۔

بعض مترجمین نے ان کا ترجمہ لازائدہ کے تحت کیا ہے ملاحظہ ہو۔

- پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے (کی)۔
- سو قسم کھاتا ہوں میں پیچھے ہٹ جانے والوں (کی)
- میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے (ستاروں) کی
- پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے ستاروں کی

مذکورہ تراجم لازائدہ کے تحت تو کئے گئے ہیں مگر قسم کو مؤکد کرنے سے قاصر ہیں۔

جبکہ مولانا احمد رضا خاں نے اس آیت کا ترجمہ نہ صرف لازائدہ کے تحت کیا بلکہ لازائدہ کے زیر اثر اسے مؤکد بھی کیا جس کی چند اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

لَآ أُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ۔

مجھے اس شہر کی قسم۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ۔

تو مجھے قسم ہے شام کے اُجالے کی۔

میں قسم کھاتا ہوں اس ترجمے میں یہ شائبہ موجود ہے کہ قسم زبردستی کہلوائی جارہی ہے۔ جیسا کہ عرفِ عام میں حلف یا قسم اٹھائی جاتی ہے۔ جبکہ مجھے قسم ہے اس میں کسی زبردستی کے پہلو کی نفی پائی جاتی ہے یہ قسم مؤکد ہے جس کی وجہ اس میں قدرت اور جلالت الٰہی نمایاں ہورہی ہے۔

لام تاکید:

(۵)۔وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ۔(۱۹)

- اور ہم کو یہ کام کرنا۔

یہ ترجمہ لازائدہ تحت کیا گیا یعنی "لام تاکیدہ" مگر "لام تاکید" اس ترجمہ پر دلالت نہیں کررہا جب کہ مولانا احمد رضا خاں اس آیت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

"اور ہمیں یہ ضرور کرنا ہے"

آپ نے اس آیت کا ترجمہ لازائدہ کے تحت بھی کیا اور "ضرور کرنے" سے کو مؤکد بھی کیا باقی تراجم لازائدہ کے تحت ضرور ہیں مگر کام کو مؤکد کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔

ھٰٓؤُلَآءِ قریب:

(۶)۔ثُمَّ اَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ۔(۲۰)

- مگر آج وہی تم ہو
- پھر تم وہ ہو۔
- پھر تو وہی ہو۔
- پھر تم ہی وہ ہو

مذکورہ تراجم میں "ھا اولاءِ" جو قریب کے لیے استعمال ہونے والے لفظ کا ترجمہ بعید کے الفاظ میں "وہ" کردیا گیا یعنی پھر تم ہی وہ ہو جسے الفاظ لاکر متن کے قریب الدلالت کا ترجمہ

بعید الدلالت کے تحت کیا گیا آیت کریمہ ''ثم انتم ھولآءِ'' میں انتم متبدا اور ھولاءِ اس کی خبر ہے جبکہ یہ دونوں حاضر اور قریب کے لیے استعمال ہوتے بالخصوص ''اولا'' پر صرف تنبیہ ''ھا'' داخل ہونے کے بعد اس کا قریب وحاضر ہونا مؤکد ہوتا ہے۔

آئمہ نحو کہتے ہیں:

ثعلب کے نزدیک کلام عرب میں ''اولی لك'' کے معنی ہلاکت کے نزدیک ہونے کے بس اور اس کی اصل ولی ہے جس کے معنی قرب ونزدیکی کے ہیں اور اسی باب میں ''قاتلوالذین یلونکم'' یعنی جو تم سے قریب ہوتے ہیں ان سے لڑو۔

نحاس کے نزدیک: اہلِ عرب ''اولیٰ لک'' اس معنی میں بولتے ہیں نہ ''کدت تھلك'' تو قریب بہ ہلاکت ہو گیا اور اس تقریر (عبارت) أولیٰ لك الھلکة۔

''قریب آئی تیری ہلاکت'' تھی الاتقان ص ۴۱۶، جلد اول۔

پس معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت کا صحیح ترجمہ صرف اور صرف وہ مترجم کر سکتا ہے جسے نحو پر کامل عبور ہو۔ اس پسِ منظر میں مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ مطالعہ کرتے ہیں:

''پھر یہ جو تم ہو''

یہ ترجمہ اصل متن اور نحوی ترکیب کے مطابق ہوتے ہوئے فصاحت وبلاغت کے معیار پر بھی پورا ہے۔ اس کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔(۲۱)

اس آیت میں بھی ھولاء مذکور ہے مولانا احمد رضا اس کا ترجمہ بعید کرنے کی بجائے قریب الدلالت کے تحت یوں کرتے ہیں:

''کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں''

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ۔(۲۲)

کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں

(۷)۔لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔(۲۳)

○ تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔

○ تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے

○ تاکہ اللہ معاف کرے تجھ کو جو آگے ہوئے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے

○ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے۔

○ تاکہ اللہ آپ کی (سب) اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے

ان تراجم میں گناہ اور خطا کی نسبت نبی کریم کی طرف کی ہے اس تراجم کی صحت کا مطالعہ علم نحو کی روشنی میں کرتے ہیں:

لام تعلیل / اجل:

''لام'' کی چار اقسام ہیں (۱)۔جارہ، (۲)۔ناصبہ، (۳)۔جازمہ لام امر، (۴)۔مہملہ۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے ''لام جارہ'' کی کئی اقسام بیان کی ہیں۔چند ملاحظہ ہوں۔

(۱)۔استحقاق، (۲)۔اختصاص، (۳)۔ملک، (۴)۔تعلیل، (۵)۔الی، (۶)۔علیٰ، (۷)۔فی، (۸)۔عند، (۹)۔بعد، (۱۰)۔عن، (۱۱)۔تبلیغ، (۱۲)۔صیرورت وغیرھا۔(۲۴)

لام تعلیل کا تعلق زیر بحث آیت سے اس کو موضوع تحقیق بناتے ہوئے ''لام'' کی دیگر اقسام سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ''۔(۲۵)

یعنی وہ بوجہ محبت مال کے بخیل ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں: وللتعلیل نحو جئتك لاکرامك۔

میرا آپ کے پاس آنا آپ کے اکرام کی وجہ سے ہے۔

یہاں ''لام'' سبب، وجہ، واسطہ اور علت کے معنی استعمال ہوا۔ ایسے ''لام'' کو نحو کی اصطلاح میں لام تعلیل کہتے ہیں کتب تفاسیر میں تعلیل کے مترادف اجل کا لفظ بھی ملے گا اس کی بھی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔(۲۶)

○ ہم نے اس سبب بنی اسرائیل پر لازم کیا۔

خازن لکھتے ہیں:

یعنی سبب ذلک۔

قرطبی لکھتے ہیں:

ای من سبب ھذہ النازلة کتبنا

خفاجی لکھتے ہیں:

فلام لتعلیل ای غفر لاجلك

علی قاری لکھتے ہیں:

ولك، معناه لاجلك

یعنی "لک" کا لام یہاں لام اجل ہے جس کا مطلب ہے آپ کے سبب سے۔

شریف علی جرجانی لکھتے ہیں:

فالمعنى ليغفر لاجلك ماتقدم من ذنب امتك وماتاخر منه۔

تاکہ معاف کرے آپ کے سبب امت کے اگلے پچھلے ذنب

حضرت امام رازی لکھتے ہیں:

انافتحنا لك فتحاً فيه التعظيم من وجهين: احدها انا وثانيهما لك اى لاجلك على وجه المنه۔

اس آیت کریمہ میں دو وجہ سے تعلیم پائی جاتی ہے کہ اس میں ایک "انا" ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا کرنا اپنی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرا "ک" ضمیر خطاب ہے جس سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ہے اور یہی بات حضرت شیخ زادہ نے بھی لکھی ہے: فی قوله تبارك وتعالیٰ انا فتحنالك تعظيم لا مرالفتح من وجهين احدها قوله انا والثانى قوله لك الى لاجل كرامتك عندى ولجل جهادك۔

یعنی "فنخالك" میں جو لام ہے وہ "لام الاجل" ہے جس کا معنی سبب ہوتا ہے تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہم نے آپ کی کرامت و بزرگی کی وجہ سے فتح مبین عطا فرمائی یا آپ کے جہاد کے سبب فتح مبین عطا فرمائی تو اب معنی یوں ہو گا۔

ہم نے آپ کی عزت و کرامت یا آپ کے جہاد کی وجہ سے فتح مبین عطاء فرمائی تاکہ مغفرت کریں آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پچھلوں کے ذنب کی۔

تو اب شروع کی دونوں آیات میں لام تعلیل اور دوسری میں مزید تقدیر مضاف سے معنی کا رخ تبدیل ہو جائے گی۔ اول صحابہ کرام کی شرکت ہو جائے گی اور دوسری میں امت کے ذنب کی مغفرت ہو جائے گی۔(۲۷)

مذکورہ ماہرین لسانیات اور مفسرین کی تحقیقات کی روشنی میں ثابت ہوتا ہے کہ "لك" میں لام تعلیل/ اجل کے طور پر استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں وجہ، سبب، علت اور واسطہ۔

اس آیت کریمہ میں لک کی لام تعلیل وجہ، سبب اور علت کی بنیاد فراہم کر رہی ہے جن جن مفسرین نے اس قاعدے کو اس آیت میں برتا توان کے نزدیک لازماً یہاں "لام اجل/ تعلیل ہو گا کہ مغفرت کی علت و سبب حضور کی ذات مقدسہ ہے اور یہ بھی محقق ہوا کہ مذکورہ تراجم میں ذنب کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے وہ عقیدے اور نحو کے قاعدے کے مطابق درست نہیں۔ اس پس منظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔

مولانا احمد رضا خاں نے گناہ کی نسبت دیگر مترجمین کی طرح نبی کریم سے نہیں کی بلکہ آپ نے مشاہرین اسلام کی تحقیقات کی روشنی میں مذکورہ آیت کے "لك" کے لام کو لام تعلیل/اجل مان کر "لك" ترجمہ تمہارے سبب کیا ہے۔ جو علم نحو کی مہارت پر آپ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ کا ترجمہ عقیدے اور نحو کے اصول کے عین مطابق ہے۔ کہ اذنِ الٰہی سے امت کی بخشش کا سبب وعلت آپ کی ذات مقدسہ ہی ہے۔ یعنی ہمارے تمام نیک اعمال فرع ہیں بخشش کی اصل اور علت آقا کریم کی ذات مبارکہ ہے۔

تقدیر مضاف:

اگر مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو مضاف کا قائم مقام بنایا جائے اور اس حذف کا کوئی قرینہ بھی موجود ہو تو یہ عمل عین نحو کے مطابق ہو گا۔ قرآن سے تقدیر مضاف کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱)۔فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ۔(۲۸)

اس آیت کریمہ میں العجل سے پہلے "حب" مضاف محذوف لیے تقدیر مضاف عبارت اب اس طرح ہو گی۔ "فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ" "جب" کو محذوف کر کے مضاف الیہ "الْعِجْلَ" کو مضاف کی جگہ رکھ کر نصب دی گئی ہے۔

(۲)۔وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔(۲۹)

اس آیت کریمہ سے پہلے "رب" "رب" کا کلمہ محذوف ہے جو کہ مضاف ہے اور السماء مضاف الیہ کو قائم مقام کر دیا گیا۔

(۳)۔وَّجَآءَ رَبُّكَ۔(۳۰)

اس میں "رب" سے پہلے "امر" کو حذف کر دیا گیا ہے اور تقدیر عبادت "وجاء امرربك" ہو گی اس میں "امر" کو حذف کر کے "رب" کو قائم مقام کیا گیا ہے۔

(۴)۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنۢ بَعْدِیْ۔(۳۱)

''بعدی'' اصل میں ''بعد موتی'' کلمہ محذوف ہے جو کہ مضاف لیے اور ''ي''مضاف الیہ کو مضاف کا قائم مقام کردیا گیاہے۔

(۵)۔ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ۔(۳۲)

اس آیت میں فرعون سے پہلے ''آلَ'' کا کلمہ مضاف تھا اس مخفف کردیا گیااور ''فرعون'' جو مضاف الیہ تھا اس کا قائم مقام کردیا گیاہے۔

قرآن میں تقدیر مضاف کا قاعدہ کثیر الاستعمال ہے بعض کے نزدیک تین سو مرتبہ اور حضرت عبدالعزیز پر ہاروی کے مطابق ایک ہزار مرتبہ یہ قاعدہ استعمال ہوا ہے۔

اس تفہیم کے بعد تقدیر مضاف کے تناظر میں ''ذنبك'' کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ''ذنبك'' جس سے ظاہر یہ معلوم ہوتا کہ ضمیر خطاب ''ك'' سے مراد حضور ﷺ کی ذات مقدسہ ہے تقدیر مضاف کے قاعدے کی روشنی میں بیشتر مفسرین کے مطابق یہاں ''لم تکن للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذنب'' کا قرینہ بھی موجود ہے کہ نبی کریم کے گناہ ممکن نہیں۔ اس لیے انہوں نے یہاں بھی مضاف کو مقدور کرکے ذنبک کردیا۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

واستغفر لذنبك: قيل لذنب امتك، حذف المضاف واقيم المضاف اليه مقامه۔

آیت کریمہ ''واستغفر لذنبك'' میں کہا گیا ''ذنوب امتك'' ہے یعنی امت کے ذنب مراد ہیں کلمہ ''امة'' کو حذف کیا گیااور ''ك'' مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام کردیا گیا۔

تقدیر مضاف کے مطابق یہاں ''امہ'' مقدور تسلیم کیا گیا ہے اور اس تقدیر مضاف سے ''ذنب'' کی نسبت امت کی طرف ہوگئی تو معنی یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جارہا ہے کہ آپ امت کے ذنب کی خاطر استغفار کریں۔ اب تقدیر مضاف عبارت یوں ہوگی ''ليغفر الله ماتقدم من ذنب امتك وما تاخر''

حضرت امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود حنفی، ماتریدی سمرقندی کو علمائے احناف اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور ان کی نسبت سے ماتریدی کہلوانے پر فخر کرتے ہیں۔ آپ نے ''لام تعلیل'' اور ''تقدیر مضاف'' کے تحت اس آیت کی تاویل یوں فرمائی:

يرجع الى ذنوب امته اى ليغفر لك الله ذنوب امتك وهو مايشفع لامة، فيغفر لامة بشفاعة۔

اس آیت میں امت کے ذنوب مراد ہیں تاکہ مغفرت کرے اللہ تعالیٰ آپ کے سبب آپ کی امت کے ذنوب اور وہ یہ ہے کہ آپ امت کی شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کے سبب آپ کی امت کی مغفرت کرے گا۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

فعلى ذلك جائزان يكون قوله تعالى ليغفر لك الله ان يغفر لامة بشفاعته۔

اس بنیاد پر یہ جائز ہے کہ آیت کریمہ ليغفر لك الله میں اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کے سبب آپ کی امت کی مغفرت کرے گا یعنی اس آیت کریمہ میں حضور کی شفاعت کے سبب امت کی مغفرت مراد لینا جائز ہے۔

امام المتکلمین کے فیصلے کے مطابق مولانا احمد رضا خاں مذکورہ آیت کا یوں ترجمہ کرتے ہیں۔

''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے''

پس معلوم ہوا کہ ترجمہ کی بنیاد امام محمد ماتریدی کی تاویل لام تعلیل اور تقدیر مضاف کے عین مطابق ہے۔

إِنَّ، أَنَّ:

ہمزہ پر فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ اِنَّ اور اَنَّ کا استعمال ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں جملہ میں تاکید کا مفہوم پیدا ہوجاتا ہے۔ البتہ کسرہ کی صورت میں وہ جملہ جو اِنَّ سے شروع ہوتا ہے لفظی طور سے ایک مستقل جملہ ہوتا ہے۔ گوکہ سابق سے معنوی ربط پایا جاسکتا ہے اور اس ربط کا علم سیاق کلام سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس کا اظہار لفظ سے نہیں ہوتا۔ جب کہ فتحہ کی صورت میں جو جملہ اَنَّ سے شروع ہوتا ہے وہ لفظی طور پر پچھلے جملے کا جزو بنتا ہے۔ اس کا سابقہ کلام سے گہرا معنوی ربط ہوتا ہے اور اس کا اظہار خود اس لفظ سے ہوتا ہے۔ استعمالات کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کسرہ کی صورت میں تاکید کا مفہوم لازمی پیدا ہوتا ہے اور ترجمہ میں اس کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جبکہ فتحہ کی صورت میں تاکید کے مفہوم کے مقابلے میں سابق ربط کا مفہوم غالب ہوتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔(۳۳)

○ اور ہم نے اس طرح اس قرآن کو نہایت واضح دلیلوں کی صورت اتارا ہے (کہ لوگ ہدایت حاصل کریں) اور بے شک اللہ ہی ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

○ اور اسی طرح ہم نے اس (پورے قرآن) کو روشن دلیل کی صورت میں نازل فرمایا اور بے شک جسے ارادہ فرماتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔

○ اور اسی طرح ہم نے قرآن کو واضح آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور بے شک اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

○ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو نازل کیا ہے روشن دلیلوں کی صورت اور بے شک اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

مذکورہ تراجم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تراجم میں اُنَّ کی خاص معنویت کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ اِنَّ (بے شک) کا معاملہ کیا ہے جس سے آیت کی معنویت متاثر ہوئی۔ اس تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں آیا کہ انہوں نے ترجمے میں اِنَّ (بے شک) کا معاملہ کیا ہے۔ یا اَنَّ کی معنویت کو برقرار رکھا ہے۔

ترجمہ: ''اور بات یہی ہے کہ ہم نے یہ قرآن اتارا روشن آیتیں اور یہ کہ اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے''۔

آپ نے اس ترجمے میں دیگر مترجمین کی طرح اَنَّ کا ترجمہ اِنَّ (بے شک) سے نہیں کیا بلکہ اَنَّ کی معنویت کو ترجمے میں خوب سمویا ہے۔

لو:

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ (۳۴)

○ کتنی بری متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا!

○ اور وہ چیز بری ہے جس کے بدلے میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کاش وہ جانتے۔

○ اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، وہ بری تھی۔ کاش وہ (اس بات کو) جانتے۔

○ وہ بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے میں انہوں نے اپنی جانوں (کی حقیقی برتری یعنی اُخروی فلاح) کو بیچ ڈالا، کاش! وہ اس (سودے کی حقیقت) کو جانتے۔

○ اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوئے۔

○ اور کس برا (معاوضہ) ہے جس پر انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا۔ کاش انہیں اس کا علم ہوتا۔

ان تراجم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا کہ لو حرف تمنا بھی ہے اور حروف تمنا سے مراد وہ حروف تمنا ہیں جو آرزو اور تمنا کے موقع پر بولے جاتے ہیں جس کے معنی ہیں ''خواہش'' آرزو، شوق، اشتیاق، درخواست اور ارمان، لغوی اعتبار سے اس حرف تمنا کی نسب انسانوں کی طرف ہو تو اس کے لیے تو مناسب ہے لیکن لغوی اعتبار سے حرف تمنا کا اطلاق اللہ پر کرنا محال ہے جیسا کہ مذکورہ تراجم میں حرف تمنا کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جو مناسب نہیں۔ اس تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

''اور بے شک کیا بری چیز ہے وہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کسی طرح انہیں علم ہوتا۔''

اس ترجمہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ مولانا نے حرف ''لو'' کا ترجمہ تمنا ''کاش'' کے تحت نہیں کیا ان کے نزدیک حرف تمنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس کے شایان شان نہیں اس لیے آپ نے ''لو'' حرف تمنا کے طور پر استعمال کرنے سے مکمل پرہیز کیا۔ بلکہ 'لو'' کو بطور حرف شرط کس طرح استعمال کیا جس سے ترجمہ کا اعتقادی قسم خود بہ خود دفع ہو گیا۔ اور نحو کے تقاضے بھی پورے ہو گئے۔

ثَمَّ:

ثُمَّ جب ضمہ کے ساتھ ہو تو حرف عطف ہوتا ہے اور اس میں حسب موقع ''پھر'' یا ''بھی'' یا ''پھر بھی'' کا مفہوم ہوتا ہے جب ثَمَّ فتحہ کے ساتھ ہو تو اشارہ مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ترجمہ ''وہاں'' سے کیا جاتا ہے ثَمَّ فتحہ کے ساتھ قرآن میں چار مرتبہ آیا ہے سبھی مترجمین نے اس کا ''وہاں'' ترجمہ کیا ہے جبکہ ذیل آیت میں کئی مترجمین نے اس کا خیال نہیں رکھا ملاحظہ ہو:

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ۔ (۳۵)

○ سردار (اور) امانت دار

○ اس کی بات مانی جاتی ہے اور وہ نہایت امین بھی ہے

○ جس کی (آسمانوں میں) اطاعت کی جاتی ہے امین ہے

ان تراجم کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ''ثَمَّ'' کا ترجمہ نہیں گیا۔ جب کہ مولانا احمد رضا اس آیت کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے

ہیں:

"وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے"

جبکہ آپ نے ثَمَّ کا ترجمہ "وہاں" کیا ہے۔ ثَمَّ کا تعلق بعد کی صنعتِ امین سے نہیں بلکہ سابق مطاع سے ہے۔

لام توقیت:

لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ۔(۳۶)

وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔

آپ نے اس آیت کا ترجمہ لام توقیت کے تحت کیا ہے۔ اس کی دوسری مثال:

طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔(۳۷)

جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے پہلے طلاق دو۔

مذکورہ ترجمہ تبیین کے تحت کیا گیا ہے۔ جبکہ آپ اسی آیت کا ترجمہ لام توقیت کے تحت یوں کرتے ہیں:

"جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت پر انہیں طلاق دو"

پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خاں نے ان دونوں آیات کا ترجمہ لام توقیت کے تحت کیا ہے۔

لام تبیین:

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔(۳۸)

"تمہارے اعمال تمہارے کے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا"۔

آپ نے پہلے لکم کے لام کو علت وسبب مانا اور دوسرے لکھ کے لام کو تبیین مان کر ترجمہ کیا ہے اس کی ایک اور مثال:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا۔(۳۹)

"اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی، مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی"

آپ نے اس آیت کا ترجمہ لام تبیین ہی کے تحت کیا ہے۔

باء بمعنی عن:

اِلسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ۔(۴۰)

آسمان اس صدمے سے پھٹ جائے گا۔

آپ نے اس آیت میں "باء" کا ترجمہ عن (سے) کیا ہے۔

باء ملابست ومصاحبت:

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ۔(۴۱)

جس دن وہ تمہیں بلائے گا تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے۔

آپ نے ترجمہ باء ملابست ومصاحبت کے تحت کیا۔

باء استعانت:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ۔(۴۲)

ثمود نے اپنی سرکشی کی بناء پر جھٹلایا۔

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے (اپنے پیغمبر ﷺ کو) جھٹلایا

ثمود نے اپنی سرکشی کے باعث (اپنے پیغمبر صالح علیہ السلام کو) کو جھٹلایا۔

ان تمام تراجم میں "باء" کو سبب مان کر ترجمہ کیا گیا ہے جبکہ مولانا احمد رضا خاں نے اسی آیت کا ترجمہ اس طرح کیا:

"ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا"

آپ نے اس آیت کا ترجمہ باء سبب کی بجائے باء استعانت کے تحت کیا ہے۔

ما نافیہ:

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔(۴۳)

تو تو جانتا ہے جیسا یہ بولتے ہیں

جبکہ مولانا احمد رضا نے اس کا ترجمہ ما نافیہ کے تحت کیا ہے وہ ملاحظہ ہو:

کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں۔

اس ترجمہ کی تائید ان تفاسیر سے بھی ہوتی ہے:

"والمعنی لقد علمت عجز ھم عن النطق فکیف نسالھم" آپ تو یقیناً جانتے ہیں کہ یہ بت بولنے سے عاجز ہیں (یہ بولتے نہیں) ان سے ہم کیسے سوال کریں۔(۴۴)

واللہ لقد علمت ان لیس من سانھم النطق فکیف تامرنا سوالھم۔

"بخدا آپ تو خوب جانتے ہیں، یہ بولتے نہیں، آپ ہمیں ان سے سوال کرنے کا حکم کیسے دے رہے ہیں"۔(۴۵)

ب:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ۔(۴۶)

- نہ ماں کو اس کی اولاد کے ذریعے تکلیف دینے کا حق ہے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کے ذریعے۔
- ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرور پہنچایا جائے۔

■ نہ تو ماں کو نقصان پہنچایا جائے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ ہی باپ کو زیاں پہنچایا جائے اس بچہ کے سبب۔

■ نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔

■ اس آیت کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا کہ ''نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے، اور نہ باپ ہی کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔

اس آیت کے ترجمے میں ''ب'' کو علت کے طور پر مانا گیا ہے جب کہ ''فعل ضار یضار کا صلہ'' با'' آتا ہے''(۴۷)

اس پس منظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

ماں ضرر نہ دے اپنے بچہ کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد کو

بالفاظ دیگر نہ تو ماں ایسا رویہ اختیار کرے کہ اس کے بچے کو نقصان پہنچے اور نہ ہی باپ ہی ایسا رویہ اختیار کرے جو اس کے بچے کے لیے نقصان دہ ہو یہ ترجمہ نحو کے اعتبار سے بھی درست ہے۔ ماں باپ کے تنازعات میں اصل نقصان بچہ ہی کو پہنچتا ہے والدین اپنی اپنی انا کی تسکین کے لیے بچوں کے مفادات کو داؤں پر لگا دیتے ہیں اس طرح جہاں والدین کے احترام کا حکم دیا گیا اسی طرح ماں باپ کو بھی اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے ایمانی، روحانی، جسمانی، ذہنی، سماجی ضرر بننے سے گریز کریں۔

ب:

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (۴۸)

■ ہم ان کو جو کچھ کرتے رہے اس کا بہترین اجر دیں گے۔

■ اور ہم یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہترین اجر دیں گے۔

■ اور ہم یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال سے بہتر جزا عطا کریں گے۔

■ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ان کو ان کے اعمال کا اچھا بدلہ دیں گے۔

■ اور صبر کرنے والوں کو ہم بھلے اعمال کا بہترین بدلہ ضرور عطا فرمائیں گے۔

■ اور ہم ضرور صبر سے کام لینے والوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق دیں گے۔

فعل جزا کی مختلف صورتیں ہیں اگر یہ کہنا ہو کہ اس نے بہترین بدلہ دیا تو کہا جاتا ہے جزاك احسن الجزاء۔ اور اگر یہ کہنا مقصود ہو کہ ''اس نے تمہیں تمہارے عمل کا صلہ دیا'' تو کہا جاتا ہے: جزاك بما عملت أحسن الجزاء۔ اگر یہ کہنا ہو کہ اس نے تمہیں تمہارے بہترین عمل کا صلہ دیا تو کہا جاتا ہے: جزاك بأحسن ماعملت۔ گویا اگر بہترین بدلہ کہنا ہو تو احسن الجزاء کہیں گے اور بہترین عمل کہنا مقصود ہو تو عمل کی طرف احسن کی اضافت ہو گی جیسے بأحسن ما كانوں يعملون۔ یہ آخری اسلوب قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ان سب مقامات پر بہترین عمل کا مفہوم اختیار کیا جاتا جو جملہ کی مذکورہ ترتیب سے متبادر ہے لیکن اس کی بجائے بہت سارے لوگوں نے بہترین بدلے کا مفہوم اختیار کیا۔(۴۹)

اَحسن اور باَحسن کی نحوی تفہیم کے بعد مولانا احمد رضا خاں کے ترجمہ کا مطالعہ کرتے ہیں: ''اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا وہ صلہ دیں گے جو ان کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو۔

آپ نے نحوی اصول کے مطابق بہترین جزا کی بجائے بہترین عمل (اچھے کام) ترجمہ کیا ہے۔

فرض علی اور فرض لہ:

فرض کے ساتھ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی کسی پر کچھ فرض کرنے اور لازم کرنے کے ہوتے ہیں اور جب فرض لہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی پر مقرر کرنے کے لیے آتا ہے بعض مترجمین فرض علی اور فرض لہ کا لحاظ نہیں کرتے وہ دونوں کا ایک ہی ترجمہ کر دیتے ہیں جیسے:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللهُ لَهُ۔ (۵۰)

■ اور نبی کے لیے اللہ نے جو فرض کیا، اس میں کوئی تنگی نہیں۔

■ نبی کے لیے خدا کے فرائض میں کوئی حرج نہیں۔

اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کام (کی انجام دہی) میں کوئی حرج نہیں جو اللہ نے ان کے لیے فرض فرما دیا فرض علی اور فرض لہٗ کی تفہیم کے بعد یہاں یہ حقیقت قابل غور ہے کہ یہاں کسی ایسے فرض کی بات نہیں ہو رہی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کیا گیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک بات مقرر کی ہے اور بتایا جا رہا کہ اس کی انجام دہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی تنگی و حرج نہیں۔

اس پس منظر میں مولانا احمد رضا خاں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی''

آپ نے اس ترجمہ میں دیگر مترجمین کی طرح فرض علی

کے تحت ترجمہ نہیں کیا بلکہ نحوی اصول کے پیشِ نظر فرض لہ کے تحت ترجمہ کیا ہے۔

حرف سین:

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ۔(۵۱)

ان کو اصل میں حال معلوم ہو جائے گا۔

یقیناً وہ جان لیں گے۔

السین حرف ہے اس کا دخول مضارع کے لیے خاص ہے اور جب یہ مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اسے خالص مستقبل میں کر دیتا ہے۔ نحویاں بصرہ اس طرف گئے ہیں ''سوف'' کے مقابلے میں اگر فعل مضارع ''سین'' کے سات اس میں یہ نسبت ''سوف'' کے مستقبل کی مدت زیادہ تنگ (کم وسیع) ہوتی ہے۔(۵۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جب ''سین'' مضارع پر داخل ہو گا تو مستقبل قریب کے معنی دے گا نہ مستقبل مطلق کے۔ اس تناظر میں مذکورہ بالا تراجم کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مترجمین نے ''سین'' کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ ''یعلمون'' کا ترجمہ کیا ہے جیسے ان کو اصل حال معلوم ہو جائے گا۔ یقیناً وہ اسے جان لیں گے۔ یہاں انہوں نے ''یعلمون'' کا ترجمہ مستقبل مطلق کے تحت کیا ہے اور نحوی اعتبار سے ''سین'' کا ترجمہ کرنے سے گریز کیا۔ جب کہ نحوی اعتبار سے اس کا ترجمہ مستقبل قریب میں ہونا چاہیے۔ علم نحو کے تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

''اب جان جائیں گے'' آپ نے مذکورہ آیت کا ترجمہ دیگر مترجمین کی طرح مستقبل مطلق کے تحت نہیں کیا بلکہ حرف ''سین'' کی موجودگی کی وجہ سے مستقبل قریب میں کیا ہے۔ جو نحوی اصول کے عین مطابق ہے۔

عن برائے تعلیل:

فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ۔(۵۳)

- تو کہا میں نے مال کی محبت کو یادِ الٰہی سے عزیز سمجھا۔
- تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی صحبت اختیار کی۔
- تو انہوں نے (انابۃً) کہا: جس مال (یعنی گھوڑوں) کی محبت کو اپنے رب کے ذکر سے بھی (زیادہ) پسند کر بیٹھا ہوں۔

ان تراجم سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو یادِ الٰہی سے زیادہ مال کی محبت عزیز تھی جو کہ خلاف واقعہ ہے۔ یہاں مترجمین نے مذکورہ ''عن'' کو ''من'' کے معنی میں لیا ہے جس کی وجہ اعتقادی پہلو داغ دار ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ''عن'' کی کئی وجوہ ہیں مثلاً مجاوزات، بدل، تعلیل، علی، بعد اور من۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اسے عن کی تمام وجوہ نہ صرف ادراک ہو بلکہ ان کے اطلاق اور مستثنیات کا کامل علم بھی ہو۔ مولانا احمد رضا خاں کو فنِ نحو پر کامل عبور تھا انہیں ''عن'' کی تمام وجوہ، اطلاق اور مستثنیات کی بھرپور معرفت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ آپ نے دیگر مترجمین کی طرح مذکورہ آیت میں ''عن'' کا ترجمہ ''من'' سے نہیں کیا بلکہ ''عن'' کو تعلیل کے معنی یعنی سبب کے طور پر استعمال کیا ہے جس کی وجہ سے آپ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عصمت و عظمت کا بھرپور تحفظ کیا وہ ترجمہ ملاحظہ ہو:

''سلیمان علیہ السلام نے کہا: مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے''

ان حقائق سے معلوم ہوا کہ مترجم قرآن کے لیے علم نحو کا جاننا کتنا ضروری ہے اگر مترجم علم نحو سے ناواقف ہے تو اُس کا ترجمہ کیا سے کیا ہو جائے گا جس کی چند مثالیں ہم ملاحظہ کر چکے ہیں۔ کنزالایمان کا مطالعہ جب علم نحو کے تناظر میں کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے اس علم کو اپنے ترجمہ میں خوب برتا جب کہ دیگر تراجم میں ہمیں یہ خال خال دکھائی دیتا ہے۔ یہ عنوان اتنا وسعت کا حامل ہے کہ اس عنوان پر تحقیق کر کے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات:

(۱)۔ نحو میر مترجم مع حاشیہ، 18۔

(۲)۔ زبدۃ الاتقان فی علوم القرآن، ص ۸۹۔

(۳)۔ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، آیت نمبر 30۔

(۴)۔ محمد شایان نعیمی، النحو، ص ۱۱۱، حنفیہ اسلامک انسٹیٹیوٹ۔

(۵)۔ تسکین الجنان فی محاسنِ کنز الایمان، 42۔

(۶)۔ سُوْرَۃُ الْمُطَفِّفِیْن، آیت نمبر 28۔

(۷)۔ سُوْرَۃُ النَّبَا، آیت نمبر 4۔5۔

(۸)۔ سُوْرَۃُ التَّکْوِیْر، آیت نمبر 15۔

(۹)۔ علامہ قرطبیؒ، تفسیر الجامع لاحکام القرآن۔

(۱۰)۔ علامہ نسفی مدارک التنزیل و حقائق التاویل۔

(۱۱)۔ علامہ ابن جوزی، تفسیر زاد المسیر فی علم التفسیر۔

(۱۲)۔ علامہ ابن عطیہ، الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز۔

(۱۳)۔ علامہ بغوی، تفسیر معالم التنزیل۔

(۱۴)۔ علامہ ابن عادل، تفسیر اللباب فی علوم الکتاب۔

(۱۵)۔ علامہ ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم۔

(۱۶)۔ علامہ جلال الدین سیوطی، محلی، تفسیر جلالین۔

(۱۷)۔ علامہ شوکانی، تفسیر فتح القدیر۔

(۱۸)۔ الاتقان حصہ دوم، ص ۹۲۔

(۱۹)۔ سُوْرَۃُ یُوْسُف، آیت ۶۱۔

(۲۰)۔ البقرہ: ۸۵۔

(۲۱)۔ سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء، آیت نمبر 65۔

(۲۲)۔ سُوْرَۃُ ھُوْد، آیت نمبر 78۔

(۲۳)۔ سُوْرَۃُ الْفَتْح، آیت نمبر 2۔

(۲۴)۔ الاتقان فی علوم القرآن۔

(۲۵)۔ سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰت، آیت نمبر 8۔

(۲۶)۔ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃ، آیت نمبر 32۔

(۲۷)۔ سید شاہ حسین گردیزی، مفتی، الذنب فی القرآن، ص ۲۷۶، مکتبہ تہامہ، گلستانِ جوہر، کراچی۔

(۲۸)۔ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، آیت ۹۳۔

(۲۹)۔ سُوْرَۃُ الطَّارِق، آیت ۱۔

(۳۰)۔ سُوْرَۃُ الْفَجْر، آیت ۲۲۔

(۳۱)۔ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ، آیت ۱۳۳۔

(۳۲)۔ سُوْرَۃُ یُوْنُس، آیت ۸۳۔

(۳۳)۔ الحج: ۱۶۔

(۳۴)۔ البقرہ: ۱۰۲۔

(۳۵)۔ التکویر، ۲۱۔

(۳۶)۔ الاعراف: ۱۸۷۔

(۳۷)۔ الطلاق: ۱۔

(۳۸)۔ احزاب: ۷۱۔

(۳۹)۔ طٰہٰ، ۱۰۹۔

(۴۰)۔ المزمل: ۱۸۔

(۴۱)۔ الاسراء: ۵۲۔

(۴۲)۔ الشمس: ۱۱۔

(۴۳)۔ سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآء، آیت ۶۵۔

(۴۴)۔ مدارک بحوالہ تسکین الجنان، ص 25۔

(۴۵)۔ تسکین الجنان، ص 25۔

(۴۶)۔ البقرۃ: ۲۳۳۔

(۴۷)۔ ڈاکٹر محی الدین غازی، مقالہ "اردو تراجم قرآن پر ایک نظر" مشمولہ ماہنامہ الشریعہ، ص 11، نومبر 2014ء۔

(۴۸)۔ سُوْرَۃُ النَّحْل، آیت ۹۶۔

(۴۹)۔ محی الدین غازی، ڈاکٹر، مقالہ: "اردو تراجم پر ایک نظر"، مشمولہ ماہنامہ الشریعۃ، دسمبر ۲۰۱۴ء۔

(۵۰)۔ سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب، آیت ۳۸۔

(۵۱)۔ سُوْرَۃُ النَّبَا: آیت ۴۔

(۵۲)۔ الاتقان، حصہ اول، ص ۵۱۸۔

(۵۳)۔ سُوْرَۃُ صٓ، آیت ۳۲۔